حضرت مولانا نذر الحفیظ ندوی رحمہ اللہ

ایک مخلص مربی ومعلم کی جدائی

مولانا عبدالمتین منیری بھٹکلی
بھٹکل، انڈیا

ابتدائی نشو ونما اور گھریلو ماحول

بہار کے شمال میں پٹنہ سے ساڑھے تین سوکلومیٹر دور ضلع مدھوبنی میں ایک قصبہ ململ واقع ہے۔ یہ صدیقی شیوخ کی مسلم اکثریتی بستی کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہے، یہاں پر دین کا چرچا بہت ہوا کرتا تھا، حفظِ قرآن کا رواج عورتوں میں بھی عام تھا، اور مبالغہ کی حد تک مشہور تھا کہ یہاں کی مرغیاں بھی حافظ ہوا کرتی ہیں۔ لوگ کھیتی باڑی کرتے تھے، مرد ہو یا عورتیں، جب کام پر نکلتے، اور ہل جوت رہے ہوتے تو تلاوتِ قرآن شروع کرتے اور کام کے دوران دن میں سات آٹھ پاروں کی تلاوت پوری کرنا روز کا معمول تھا۔ واپسی پر کھانا کھاتے اور پھر اسی میں لگ جاتے۔ مولانا نذر الحفیظ صاحبؒ نے اسی ماحول میں سنہ ۱۹۳۹ء میں اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔

آپ کے والد ماجد مولانا عبدالحفیظ صاحبؒ الٰہ آباد کے مدرسہ سبحانیہ سے قراءت کی تعلیم مکمل کی تھی۔ آپ کا حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت وارشاد کا تعلق تھا، حضرت نے آپ کو خلافت سے بھی نوازا تھا۔ حضرت پرتاب گڑھیؒ کی زندگی بڑی مجاہدانہ تھی، آس پاس کے دیہاتوں میں اصلاحِ معاشرہ کے لیے آپ نے بڑی جد وجہد کی، وعظ ونصیحت کے لیے ستو اور گڑ لے کر نکل پڑتے، اور اس میں ہفتوں گزار دیتے، آپ نے بڑی قربانی کی زندگی گزاری، آپ کے والد ماجد مولانا عبدالحفیظ صاحبؒ بھی ان اسفار میں آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ آپ کے دادا حافظ محمد اسحاقؒ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ تھے۔ آپ کے نانا سراج الدین نے جو ملا سراج

الدین کے نام سے مشہور تھے، حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے کانپور میں تعلیم حاصل کی تھی، اور آپ سے بیعت وارشاد کا تعلق بھی قائم کیا تھا، تعلیم ختم ہونے کے بعد بہار کے علاقوں ''جہاں آباد''، ''گیا'' وغیرہ میں خدمات انجام دیتے رہے۔

تعلیم وتربیت

مولانا نذر الحفیظ صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، پھر یہاں سے اپنے والد ماجد کے پاس سات آٹھ سال کی عمر میں پرتاب گڑھ آگئے، یہاں سے سلطان پور جاکر حافظ مشتاق نابیناؒ کے پاس حفظِ قرآن مکمل کیا۔ آپ نے اپنے والد ماجد کے پاس ہی اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس زمانے میں لکھنؤ سے روزنامہ ''قومی آواز'' نکلا کرتا تھا، آپ مولانا سے اس کی سرخیاں اسی زمانے میں پڑھواتے تھے، پھر آپ نے اپنے چچا مولانا محمد عاقل صاحبؒ سے فارسی کی گلستان اور بوستان پڑھی، اوراس دوران فارسی خطوط نویسی کی مشق بھی کی۔ جب مولانا کافیۃ العلوم میں زیرِ تعلیم تھے تو آپ سے عام طلبہ کی طرح مساویانہ سلوک کرتے تھے، کبھی مہتمم صاحب کے فرزند ہونے کی حیثیت سے امتیازی سلوک نہیں کرنے دیتے، کھانے کی فیس بھی دوسرے طلبہ کی طرح ادا کرتے تھے۔

ندوے میں داخلہ

۱۹۵۵ء میں مولانا کا داخلہ ندوۃ العلماء میں ہوا، داخلہ سے قبل آپ کے والد ماجد نے تمرین الصرف اور تمرین النحو خوب پڑھائی۔ ندوے کے استاذ مولانا ابوالعرفان ندویؒ آپ کے والد کے شاگرد تھے، جن کی وجہ سے داخلہ میں دشواری نہیں ہوئی۔ مولانا عمران خان ندویؒ کا دورِ اہتمام تھا، ندوے میں طلبہ کی کل تعداد دوڈھائی سو سے زیادہ نہیں تھی، مولانا حبیب الرحمٰن سلطان پوریؒ مصنف تمرین النحو نے آپ کا امتحان لیا، اور اول عربی میں داخلہ کی اجازت دے دی۔ مولانا عبد الماجد ندویؒ مصنف معلم الانشاء کے زیرنگرانی پونے دوسال آپ کا رہنا ہوا۔ آپ مضامین صاف کرنے کے لیے دیتے، والد ماجد نے خوش خطی کی مشق کرائی تھی، جس کا آپ کو دورانِ طالب علمی بہت فائدہ ہوا۔

ابھی درجہ سوم عربی میں تھے کہ والدین کے ایما پر آپ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوگئے۔ والدین کی خواہش تھی کہ ساتھ ساتھ تعلیم بھی جاری رہے، اس عرصے میں آپ کی اہلیہ نے بڑے تقشُّف کی زندگی گزاری اور صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ والد ماجد نے قلیل آمدنی کے باوجود

پورے کنبے کی کفالت کی ذمہ داری اُٹھائے رکھی۔ لیکن اس کے باوجود عزتِ نفس کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ماہِ رمضان مبارک میں آپ کے خسر آپ کو مدھوبنی کی ایک مسجد میں تراویح پڑھانے لے گئے، اختتام پر مسجد والوں نے خسر صاحب کے ہاتھ میں ایک سوبیس روپے تھما دیئے، مولانا کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، آپ نے زندگی میں پہلی مرتبہ اتنے پیسے دیکھے تھے، انہی دنوں گاؤں میں باڑھ آئی ہوئی تھی، طوفانِ بادوباراں نے پھونس سے بنے گھر کو تاراج کردیا تھا، سر چھپانے کو چھت باقی نہیں رہی تھی، سینکڑوں کا خرچ آیا، آپ نے تراویح سے ملے پیسے ابا کو دے دیئے، جب آپ کو پتہ چلا کہ یہ پیسے تراویح میں قرآن سنانے پر ملے ہیں تو خفگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حافظ اس کے لیے نہیں بنایا ہے۔ پھر زندگی بھر کبھی تراویح سنانے پر آپ نے ہدیہ قبول نہیں کیا، پھر تو پھول پور میں حضرت پرتاب گڑھیؒ کے یہاں ہی تراویح پڑھانے کا معمول بن گیا، کیونکہ حضرت کے فرزند مولانا قاری مشتاق احمد صاحبؒ بانی مدرسہ عرفانیہ، فرنگی محل لکھنؤ اُن دنوں الہٰ آباد جاتے، اور ان کے دوسرے فرزند ارشاد احمدؒ الہٰ آباد سے پرتاب گڑھ مدرسہ کافیۃ العلوم کو آتے، اور آپ کے والد ماجد مولانا عبدالحفیظ صاحبؒ ممبئی اور بھساول مدرسے کے چندے کے لیے نکل پڑتے تھے۔

انہی دنوں آپ نے ندوے میں حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمۃ کی عصر کی مجالس میں پابندی سے بیٹھنا شروع کیا، بعد میں انہیں قلم بند بھی کرنا شروع کیا، (ان مجالس کا ایک مجموعہ آپ کی رحلت سے چند ماہ سے کچھ عرصہ پہلے مجالسِ علم وعرفاں کے نام سے منظرِ عام پر آیا) یہاں کے شیخ التفسیر حضرت مولانا اویس نگرامی ندویؒ کی شفقتیں بھی آپ کو نصیب ہوئیں، جو کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے شاگردانِ خاص میں تھے، پرتاب گڑھ میں مولانا ہی کے مکان پر آپ کے والد صاحب کا ٹھہرنا ہوا کرتا تھا، مولانا حبیب الرحمٰن سلطان پوری ندویؒ سے آپ نے تمرین النحو، شرح نقایہ اور ہدایہ پڑھی، آخر الذکر بڑے صاف ستھرے اور نستعلیق شخصیت کے مالک تھے، شہر میں رہتے تھے، اور گھر سے آتے ہوئے تولیہ، صابون ساتھ لاتے، اور ہمیشہ باوضو رہتے، معمولات کے ایسے پابند تھے کہ مجال تھی کہ ایک منٹ دیر سے پہنچیں۔

ان دنوں حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمہ شدید علیل ہوکر سیتا پور اسپتال میں صاحب فراش تھے، تیمم سے نماز پڑھتے تھے، ایسی حالت میں بھی آپ پابندی سے مولانا سے کتابیں سنا کرتے تھے، اس طرح ہزاروں صفحات آپ نے حضرت مولانا کو پڑھ کر سنائے۔ حضرت کے استحضار کا یہ عالم تھا کہ درمیان میں کوئی فارسی شعر آتا تو مولانا نگل جاتے تو حضرت مولانا یاددہانی کرتے کہ یہاں فارسی شعر ہے، اسے بھی پڑھیں۔ عبارت خوانی اور اشعار سنانے کا آپ کو بہت فائدہ پہنچا، جب حضرت مولانا کی صحت اچھی ہوتی

تو آپ درجات دیکھنے آتے تھے، اس سے آپ کو مطالعہ کا ایک چسکہ سا لگ گیا تھا، درجہ چہارم عربی میں تھے تو ایک مرتبہ مولانا آزاد کی غبارِ خاطر کو حضرت مولانا نے آپ کے ہاتھ میں دیکھا، تو فرمایا کہ ابھی آپ کی عمر یہ کتاب پڑھنے کی نہیں ہے، ایسی کتابیں پڑھو جن سے زبان درست ہو۔

ندوے میں ''انجمن الاصلاح'' سے آپ جڑے ہوئے تھے، جس کا آپ کو بہت علمی فائدہ ہوا، الماریوں کی کنجیاں عموماً آپ کے ہاتھ میں رہتی تھیں، ظہر میں آتے تو کبھی عصر، مغرب اور عشاء تک الماریاں کھولے کھڑے رہتے، اس میں ''الهلال، الدعوة'' اور ''المصور'' جیسے عرب مجلّات کی فائلیں پائی جاتی تھیں، کھڑے کھڑے گھنٹوں انہیں چاٹ جاتے تھے۔

آپ نے اس دوران تاریخ کی کتابیں زیادہ پڑھیں، درجہ سوم عربی میں تھے تو تاریخِ دعوت وعزیمت حصہ اول چھپ کر آئی تھی، اسے پڑھ ڈالا، اس میں امام غزالیؒ کے حالات نے آپ کو بہت متاثر کیا، ایک بار خواب میں بھی امام صاحبؒ کی زیارت نصیب ہوئی، جب کچھ بڑے ہوئے تو امام صاحبؒ کی کتاب ''المنقذ من الضلال'' بھی پڑھ ڈالی۔ یہی زمانہ تھا جب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ''جزيرة العرب'' اور ''الأدب العربي'' لکھ رہے تھے۔ ان کا املا درست کرنے اور مضامین نقل کرنے میں آپ سے مولانا نے خوب محنت لی۔ اس طرح حضرت مولانا کی کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر'' کی آپ نے چار مرتبہ پروف ریڈنگ کی، لہٰذا مجلس میں آپ کتابوں سے متعلق سوالات کرتے تو حضرت فرماتے کہ آپ تو ہماری کتابوں کے حافظ ہیں۔

ندوے کے اساتذہ میں مولانا دریابادیؒ کے ''صدق'' کو پڑھنے کا بڑا اہتمام تھا، ''معارف''، ''برہان''، اور ''فاران'' بھی یہاں آتے تھے، اور قاضی اطہر مبارکپوریؒ اور الحاج محی الدین منیریؒ کے زیرِ ادارت خدام النبی ممبئی کا ماہنامہ ''البلاغ'' بھی پابندی سے پڑھنے کو ملتا تھا۔ اسی دور میں ''البعث الإسلامي'' بڑے طمطراق سے نکلا، ''الرائد'' جب جاری ہوا تو آپ چہارم عربی میں تھے۔ لیتھو پر یہ پرچے چھپتے تھے، اور امین آباد کاتب کی تلاش میں جانے، پروف ریڈنگ اور ترسیل کا جملہ کام آپ ہی کو کرنا پڑتا تھا۔ ۱۹۶۹ء میں جب مولانا محمد اسحاق جلیس مرحوم مجلسِ تحقیقات ونشریاتِ اسلام سے وابستہ ہوئے تو آپ کے ساتھ کام کرنے کا آپ کو موقع ملا، آپ ہی نے مولانا کو بتلایا تھا کہ اخبار پڑھنا بھی ایک فن ہے۔

آپ نے ''رياض الصالحين'' مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندویؒ سے پڑھی۔ اس کتاب سے آپ کا بڑا تعلق تھا۔ ترمذی شریف آپ نے مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ سے پڑھی تھی، جن کے ترمذی پڑھانے کا منفرد انداز تھا، درجہ میں طلبہ شاید بیس بائیس سے زیادہ نہیں رہے ہوں گے، مولانا نعمانیؒ احادیث

پڑھاتے وقت تمام مسلکوں کے دلائل بیان کرتے تھے، پھر ہر دلیل کا حوالے کے ساتھ جواب دیتے تھے۔

گھر کے حالات ایسے نہیں تھے کہ درجہ عالمیت مکمل کرنے کے بعد بھی تعلیم جاری رکھتے، مولانا ابوالعرفان صاحب سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ: آپ کے پاس اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیمی سند ہونی چاہیے، کیونکہ آئندہ زندگی میں ترقی کا کوئی موقع ملے اور اعلیٰ سند کی ضرورت پیش آئے تو افسوس نہ ہو کہ موقع ملنے پر اسے گنوادیا۔ اس کا فائدہ مولانا کو اس وقت محسوس ہوا جب کہ مصر جانے کے لیے آپ کے نام قرعۂ فال نکلا۔

فراغت کے بعد کا دور

۱۹۶۴ء میں آپ نے فضیلت مکمل کی، اور ندوے ہی سے منسلک ہوگئے۔ اس دوران آپ نے ایک سال مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کے مدرسہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں بھی گزارا، جہاں آپ کا دارالمصنفین آنا جانا ہونے لگا، مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ بقیدِ حیات تھے، ان سے گہرا تعلق قائم ہوا، مولانا آپ کو معارف کے لیے ماہانہ اہم غیر ملکی کتابوں کی تلخیص لکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔

۱۹۶۹ء میں ہفت روزہ ’’ندائے ملت‘‘ لکھنو بحران کا شکار ہوا، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب کے کہنے پر حضرت مولانا نے آپ کو اور مولانا عبدالنور ندویؒ کو اسے سنبھالنے کے لیے بھیجا، یہاں سے آپ کو صحافت کا چسکہ لگا۔ وہ عالم اسلام میں بڑا ہنگامہ خیز دور تھا، مسلسل ریڈیو اور اخبارات سے چمٹے رہنا پڑتا تھا۔ اسی زمانے میں کراچی میں عراقی سفارت خانے سے ہتھیار پکڑے جانے کی خبر آئی، جسے آپ نے یقینی انداز کی سرخی کے ساتھ لکھا، اس پر جب مولانا محمد مسلم صاحب مدیر سہ روزہ دعوت دہلی کی نظر پڑی تو ایک ملاقات میں آپ کو نصیحت کی کہ کبھی سیاسی معاملات کو یقینی بات کے انداز سے پیش نہ کریں، نیوز ایجنسیاں اپنے اپنے مقاصد کے مطابق خبروں کو نقل کرتی ہیں۔ ان باتوں سے مولانا کو آئندہ زندگی میں خوب رہنمائی ملی۔

جامعہ ازہر میں داخلہ، اور جامعہ عین شمس میں ٹیچر ٹریننگ کورس

۱۹۷۵ء میں جب مصر کے جامعہ ازہر میں اعلیٰ تعلیم کے لیے جانے کا موقع آیا، تو والد صاحب نے آپ کی والدہ ماجدہ کے ذریعے پیغام بھیجا کہ فکر نہ کریں، مصر میں جا کر ضرور سیکھیں، تاکہ ذہن میں کبھی یہ بات نہ آئے کہ ایک موقع ملا تھا، ابا کی وجہ سے ترقی کا موقع ضائع ہوگیا، آپ نے ندوے کی تدریس کے زمانے میں جو جمع پونجی جمع ہوئی تھی، وہ خازنِ ندوہ مولانا محمد طاہر صاحب کو

سونپی، تاکہ وہ اس سے آپ کے ماہانہ گھریلو اخراجات کا نظم کرسکیں۔

ندوے سے فضیلت کی سند حاصل کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ آپ کا داخلہ از ہر شریف میں ایم فل میں ہوا، عرب یونیورسٹیوں میں جسے ماجستیر کہا جاتا ہے، وہ دراصل بی اے کے بعد اور ڈاکٹریٹ کے درمیان کا مرحلہ ہوتا ہے، جس میں پی ایچ ڈی کی طرح تحقیقی مقالہ بھی تیار کرنا پڑتا ہے، درجات میں حاضری کی پابندی کا مرحلہ ختم ہونے اور پھر مقالہ کی تیاری کے مرحلہ میں داخل ہونے پر آپ کو جو فرصت کے لحات ملے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے آپ نے جامعہ عین شمس میں ٹیچرس ٹریننگ کورس (تدریب المعلمین) کو جوائن کیا، اور یہاں چھ ماہ تدریس کا تجربہ حاصل کیا، جس میں ایک انسپکٹر درجے میں پچھلے دروازے سے آتا تھا، اور طلبہ کے پہلے کے معیارِ تعلیم اور آخری معیار کو پرکھتا تھا۔ مولانا کو اچھے نمبرات سے یہاں پر کامیابی نصیب ہوئی اور جب اسے مکمل کرکے وطن لوٹے تو حضرت مولانا نے ندوے میں ''معهد تدريب المعلمين'' کے قیام کی ہدایت کی۔

مصر میں آپ کا بڑا اچھا وقت گزرا، جب پہنچے تھے تو صدر انوار السادات کا عہدِ عروج چل رہا تھا، آپ نے وہاں پر سادات کے دور کی آزادی بھی دیکھی، اور ان کی افسوسناک موت بھی، اس وقت یہاں کی سوسائٹی اور تحریکات کو جتنے قریب سے دیکھنے کا آپ کو موقع ملا، شاید و باید ہی کسی ہندوستانی کو اس کا موقع ملا ہوگا، آپ کی بچی کی شادی بھی اس دوران آگئی، انہی دنوں آپ کو ریڈیو قاہرہ میں ملازمت مل گئی تھی، جہاں انہیں پروپیگنڈا کیا ہوتا ہے' اس کی حقیقت کا علم ہوا۔ ۱۹۸۲ء میں آپ کی مصر سے واپسی ہوئی، اور دوبارہ آپ ندوۃ العلماء میں تدریس سے وابستہ ہوگئے، اور تا دمِ واپسیں اپنے اس مادرِ علم کی خدمت سے جڑے رہے۔

مصر سے واپسی پر آپ نے میڈیا کے موضوع پر رائے بریلی میں ماہانہ خطبات کا سلسلہ شروع کیا تھا، جسے آپ نے از سرِ نو مرتب کرکے کتاب کی شکل دی جو مغربی میڈیا اور اس کے اثرات کے عنوان سے شائع ہوکر بہت مقبول ہوئی، اس کتاب کے اردو میں پانچ ایڈیشن نکل چکے ہیں، اور عربی، انگریزی، بنگالی، ہندی، ملیالم میں بھی ان کے ترجمے نکلے، اور دوسری زبانوں میں ان کے ترجموں کے نکلنے کا کام ابھی جاری ہے۔ اس دوران آپ تعمیرِ حیات، ندائے ملت، ''الرائد''، ''البعث الإسلامي'' اور کاروانِ ادب جیسے مجلّات سے مستقل کسی نہ کسی طرح سے وابستہ رہے۔

مولانا نے ۱۹۶۴ء سے انتقال تک نصف صدی سے زیادہ عرصہ تعلیم و تدریس میں گزارا، جس کے دوران کئی نسلیں آپ سے فیض پاکر نکلیں۔ مولانا کے دروس طلبہ میں ہمیشہ مقبول رہے، ان کی

اپنی چند خصوصیات تھیں، آپ کے درسوں میں بچے تلے الفاظ اور جملوں کا استعمال ہوتا تھا، جن سے مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہوتی تھی، بولتے وقت آواز میں نرمی اور ملائمت ہوتی تھی، جو طلبہ کے کانوں پر رس گھولتی تھی، اور بار نہیں پڑتی تھی ''وہ بولتا ہے تو ایک روشنی سی ہوتی ہے'' کے مصداق آپ طلبہ کی ذہنی اور فکری صلاحیتوں اور استعداد کا خاص خیال رکھتے تھے۔ تعبیر اور افہام وتفہیم کے لیے آپ واضح اور سہل الفاظ کا استعمال کرتے تھے اور طلبہ کو عالمی مسائل سے مربوط رکھنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

۱۹۸۲ء میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے الحاق کے بعد جب درجہ عالمیت کے امتحانات جامعہ آباد ہی میں ہونے لگے، اور ان کی نگرانی کے لیے ندوے سے اساتذہ کرام یہاں تشریف لانے لگے، تو جو اساتذہ اس ذمہ داری پر خاص طور پر مامور کیے جانے تھے، ان میں آپ کا نام نمایاں تھا، ان دنوں میں طلبہ کو آپ سے استفادہ کا بہترین موقع ملا کرتا تھا۔ ہفتہ دس روز مولانا کا جامعہ آباد میں قیام ہوا کرتا، وہ طلبہ سے گھل مل جاتے تھے۔ مولانا کی طلبہ کے خارجی مطالعہ پر خصوصی توجہ رہا کرتی تھی، اور اس کا امتحان وہ خود لیتے تھے۔ خصوصی پروگراموں اور سیمیناروں کے لیے آپ کا دوسرے دنوں میں بھی بھٹکل آنا ہوتا تھا، جامعہ آباد میں فراغت کے اوقات میں آپ کی مستقل بیٹھک کتب خانہ میں ہوا کرتی تھی، جہاں ناظرِ کتب خانہ مولانا ناصر الاسلام ندوی صاحب سے آپ کو خاص اُنس تھا، وہ بھی آپ کا خاص خیال رکھتے اور آپ کے ذوق کی کتابیں انہیں ڈھونڈ ڈھانڈ کر لا دیتے تھے۔ مولانا مطالعہ اور کتب بینی کے رسیا تھے، لہٰذا امتحانات کے دنوں میں جامعہ آباد جب اکثر اوقات میں طلبہ سے خالی ہونے لگتا تو اس سے آپ کو تنہائی اور بوریت کا احساس نہیں ہوا کرتا تھا، کیونکہ کتاب کی شکل میں آپ کا ساتھی ہمیشہ موجود رہتا تھا، اس ناچیز سے محبت میں کتابوں کے ساتھ گزرے ان لمحات کا بڑا اثر تھا۔

۲۸ رمئی ۲۰۲۱ء کو یہ خبر بجلی بن کر کوندی کہ مولانا اپنے مالکِ حقیقی کے پاس جا پہنچے، یہ خبر سننے کے لیے کان تیار نہیں تھے، اس سے پہلے مولانا کی علالت کی کوئی خبر نہیں آئی تھی، لیکن اجل کا فرشتہ کسی کو کہہ کر تھوڑے آتا ہے!۔ نصف صدی کے دوران آپ نے کئی نسلوں کو تیار کیا، ہزار ہا ہزار صفحات لکھے، اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ دین کی سربلندی اور نونہالوں کی صحیح نہج پر تعلیم وتربیت میں لگائے گئے آپ کی عمر کے ماہ وسال آپ کی وہاں پر بلندیِ درجات کا سبب بنیں گے، جہاں صرف انسان کے اعمال ساتھ جاتے ہیں، اور آپ نے جو شمعیں روشن کی تھیں، ان شاء اللہ! تا قیامت وہ جلتی رہیں گی۔ اللّٰھم اغفر لہٗ وارحمہ، آمین.

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....